طالب الہاشمی

حضرت عبداللہ بن عباسؓ
ترجمان القرآن

(۱)

اُمّ المومنین حضرت میمونہؓ اپنے ایک نوعمر بھانجے کو بہت عزیز رکھتی تھیں، بھانجے کو بھی نہ صرف خالہ سے بڑی محبت تھی بلکہ اپنے عالی مقام خالو جناب سیدِ دوعالم ﷺ سے بھی بے انتہا محبت اور عقیدت تھی۔ اسی لیے وہ اکثر خالہ محترمہ کے گھر آ جاتے تھے۔ وہاں دوڑ دوڑ کر حضوؐر کے چھوٹے موٹے کام کر دیا کرتے تھے اور آپؐ سے دُعائیں لیتے تھے۔ بعض اوقات وہ رات کو بھی خالہؓ ہی کے گھر ٹھہر جاتے تھے۔ اس طرح اُن کو حضوؐر پرنور ﷺ کی صحبت سے مستفیض ہونے کا بہترین موقع میسر آ جاتا تھا۔ ایک مرتبہ حضوؐر رات کے پچھلے پہر نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو یہ سعادت مند صاحب زادے بھی آپؐ کے پیچھے کھڑے ہوگئے۔ حضوؐر نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر کر لیا۔ اُس وقت تو وہ ساتھ کھڑے ہوگئے مگر جونہی حضوؐر نے نماز شروع کی، وہ ہٹ کر اپنی جگہ پر آ گئے۔ سلام پھیرنے کے بعد آپؐ نے ان سے پوچھا۔ ''میں نے تم کو اپنے ساتھ کھڑا کیا تھا، تم پیچھے کیوں ہٹ گئے؟''

انہوں نے نہایت ادب سے عرض کیا:

''یا رسول اللہ، کس کی مجال ہے کہ وہ اللہ کے رسولؐ کے برابر کھڑا ہو کر نماز پڑھے۔
(میں اور حضوؐر کے برابر کھڑا ہو کر نماز پڑھوں؟ یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے)''

حضوؐر ان کے جواب پر بہت خوش ہوئے اور بارگاہِ ربّ العزّت میں دُعا کی:

''الٰہی اس لڑکے کو علم کثیر عطا فرما اور اس کو اور زیادہ فہم وفراست سے نواز۔''

اُمّ المؤمنین حضرت میمونہؓ کے یہ نوعمر بھانجے جن کے حق میں —— دانائے کونین رحمتِ دو عالم ﷺ نے ازدیادِ علم وفہم کی دعا فرمائی اور اُن کے جذبۂ ادب واحترام رسالت پر خوشنودی کا اظہار فرمایا، دودمانِ ہاشمی کے چشم و چراغ حضرت عبداللہ بن عباسؓ تھے۔

سیدنا حضرت ابوالعباس عبداللہ بن عباسؓ ان عظیم المرتبت صحابہؓ میں سے ہیں جو علم و فضل کے اعتبار سے اساطینِ اُمت میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے خاندانی شرف ومجد کے بارے میں اتنا ہی لکھ دینا کافی ہے کہ وہ سرورِ عالم ﷺ کے محبوب چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے فرزندِ ارجمند تھے۔ ان کی والدہ حضرت اُمّ الفضل لبابہؓ ان جلیل القدر صحابیات میں سے ہیں، جن کو اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کے بعد (خواتین میں سے) سب سے پہلے قبولِ اسلام کا شرف حاصل ہوا۔ اُمّ المؤمنین حضرت میمونہؓ حضرت عبداللہؓ کی حقیقی خالہ تھیں۔ اس نسبت سے سرورِ عالم ﷺ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے چچازاد بھائی ہونے کے علاوہ خالو بھی ہوتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مشہور القاب یہ ہیں:

الحِبُر (بہت بڑے عالم)، البَحُر (علم کے سمندر) ترجمان القرآن اور امام المفسّرین

حضرت عباسؓ کے اور بھی کئی فرزند تھے لیکن جب ''ابن عباسؓ'' کہا جاتا ہے تو اس سے مراد حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہوتے ہیں۔

حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ ہجرتِ نبوی سے تین سال پہلے مکہ میں پیدا ہوئے۔ اس زمانے میں مشرکین قریش نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کو شعب ابی طالب میں محصور کر رکھا تھا۔ حضرت عبداللہؓ اسی شعب میں پیدا ہوئے۔ ابن اثیرؒ نے ''اُسدُ الغابہ'' میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہؓ کی ولادت کے بعد حضرت عباسؓ ان کو گود میں اٹھا کر سرورِ عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں لے گئے۔ حضوؐر نے اپنا لعابِ دہن نومولود کے منہ میں ڈالا اور ان کے لیے دعائے خیر و

برکت کی۔ بہت سے اربابِ سِیَر نے لکھا ہے کہ حضرت عباسؓ ہجرتِ نبوی سے قبل مسلمان ہو چکے تھے لیکن انہوں نے اپنے اسلام کو مخفی رکھا تھا۔ اس کا اعلان انہوں نے فتح مکہ (۸ ہجری) سے کچھ عرصہ پہلے کیا اور اس کے ساتھ ہی اپنے اہل وعیال سمیت ہجرت کر کے مدینہ منورتشریف لے گئے البتہ ان کی اہلیہ حضرت اُمُّ الفضلؓ بعثتِ نبوی کے بالکل ابتدائی زمانے میں علی الاعلان مسلمان ہوگئی تھیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہؓ نے اپنی پیدائش کے پہلے دن ہی سے توحید کی لوریوں میں پرورش پائی۔ والدین کے ساتھ ہجرت کے وقت ان کی عمر گیارہ برس کے لگ بھگ تھی۔ مدینہ منورہ پہنچ کر ان کو سرکارِ دوعالم ﷺ کی خدمت گزاری اور آپؐ کے فیضان سے بہرہ یاب ہونے کا خوب خوب موقع ملا۔ وہ خود بھی حضورؐ سے بے پناہ عقیدت اور محبت رکھتے تھے اور والدِ محترم کی ہدایت بھی تھی اس لیے بارگاہِ رسالت میں اکثر حاضر ہوتے تھے اور آپؐ کے ارشادات سے مستفیض ہوتے تھے۔ ایک دن بارگاہِ نبوی سے واپس آ کر حضرت عباسؓ سے ذکر کیا کہ آج میں نے رسول اللہ کے پاس ایک ایسے آدمی کو دیکھا جن کو میں نہیں پہچانتا کیا اچھا ہوتا اگر مجھے ان کے بارے میں علم ہو جاتا۔

حضرت عباسؓ نے رسولِ اکرم ﷺ سے حضرت عبداللہؓ کی بات کا تذکرہ کیا۔ حضورؐ نے ان کو طلب فرما کر فرطِ محبت سے اپنی آغوش میں لے لیا اور ان کے سر پر ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی:

''الٰہی اس پر اپنی برکت نازل فرما اور اس کو علم کا نور پھیلانے کا ذریعہ بنا۔'' (الاِصابہ)

حضرت عبداللہؓ اگرچہ نہایت سلیم الفطرت تھے لیکن پھر بھی لڑکپن کا زمانہ تھا اس لیے کبھی کبھی اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ کھیلنے مدینہ منورہ کی گلیوں میں نکل جاتے تھے۔ اُسی دَور کا ایک واقعہ ان کو عمر بھر یاد رہا۔ خود بیان کرتے ہیں کہ:

> ''میں لڑکوں کے ساتھ گلیوں میں کھیلتا پھرتا تھا۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ کو تشریف لاتے دیکھا تو دوڑ کر ایک گھر کے دروازے کے پیچھے چھپ گیا۔ لیکن حضورؐ نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ آپؐ نے بڑھ کر مجھے پکڑ لیا اور سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا، جاؤ معاویہؓ کو بلا لاؤ۔ وہ آپؐ کے کاتبِ وحی تھے۔ میں دوڑا دوڑا حضرت معاویہؓ کے پاس گیا اور ان کو بلا لایا۔'' (مسندِ احمدؒ)

حضرت عبداللہؓ اکثر اپنی خالہ اُمّ المؤمنین حضرت میمونہؓ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور کبھی کبھی کاشانۂ رسالت میں ہی سو رہتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنی خالہ کے پاس سو رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور چار رکعت نماز پڑھ کر استراحت فرمائی۔ ابھی کچھ رات باقی تھی کہ بیدار ہوئے اور مشکیزہ کے پانی سے وضو کر کے نماز شروع کی۔ میں بھی آپؐ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ آپؐ نے مجھے سر سے پکڑ کر دائیں طرف کھڑا کر دیا۔ (صحیح بخاری)

ایک مرتبہ رسولِ اکرم ﷺ نماز کے لیے بیدار ہوئے تو وضو کے لیے ایک برتن میں پانی موجود پایا۔ وضو فرمانے کے بعد آپؐ نے اُمّ المؤمنین حضرت میمونہؓ سے پوچھا، وضو کے لیے پانی کون لایا تھا؟ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف اشارہ کیا۔ سرورِ عالم ﷺ بہت خوش ہوئے اور دعا کی:

''اے اللہ اسے تفقّہ فی الدّین عطا کر اور تاویل کا طریقہ سکھا۔''

اسی قسم کا ایک واقعہ جس میں حضرت ابنِ عباسؓ نے از راہِ ادب نماز میں حضوؐر کے برابر کھڑے ہونے سے گریز کیا اور آپؐ سے دعائیں لیں، اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ غرض لڑکپن میں ان کو بار ہا سیدِ کونین ﷺ کی خدمت گزاری اور آپؐ سے دعائیں لینے کی سعادت نصیب ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ابھی عمر کی تیرہ منزلیں طے کی تھیں کہ سرورِ عالم ﷺ کا وصال ہو گیا۔ چونکہ عہدِ رسالت میں کمسن تھے اس لیے کسی غزوے میں شریک نہ ہو سکے۔ اس سلسلے میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ حضوؐر نے لڑائی میں شریک ہونے کے لیے کم از کم پندرہ برس کی عمر مقرر فرمائی تھی۔ حضرت ابوبکر صدّیقؓ کے عہد خلافت میں بھی انہیں کوئی کارنامہ دکھانے کا موقع نہ ملا تاہم انہوں نے کبار صحابہؓ سے استفاضہ کرنا شروع کر دیا اور ان کی شہرت ایک انتہائی ذہین و فطین اور صاحب علم نوجوان کی حیثیت سے پھیلنے لگی۔ حضرت عمر فاروقؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو انہوں نے حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کی اعلیٰ صلاحیتوں کا برملا اعتراف کیا اور ان کی حوصلہ افزائی اور تربیت پر خاص توجہ دی۔ وہ اپنی علمی صحبتوں میں جہاں اکابر صحابہؓ کو بلاتے تھے وہاں حضرت ابنِ عباسؓ کو بھی شریک کرتے تھے یہاں تک کہ لوگ ان پر رشک کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں خود

حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ مجھے اصحابِ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے ایک مرتبہ بعض بزرگوں نے حیرت کا اظہار کیا کہ آپ اس نوجوان کو ہمارے ساتھ بٹھاتے ہیں ان کے برابر تو ہمارے لڑکے ہیں (یا یہ کہ ان کے ہم عصر ہمارے لڑکوں کو آپ یہاں بیٹھنے کا موقع نہیں دیتے) حضرت عمرؓ نے فرمایا، یہ وہ شخص ہے، جس کی قابلیت کا تمہیں بھی علم ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کی مجلس میں کبھی کوئی ایسا مسئلہ پیش ہوتا، جس کا جواب حضرت عبداللہ بن عباسؓ دینا چاہتے لیکن اپنی کم عمری کی بناپر اکابر صحابہؓ کے سامنے بات کرنے سے جھجکتے تو امیر المؤمنینؓ بدیں الفاظ ان کی حوصلہ افزائی کرتے۔ ''ابن عباس، علم عمر کی کمی یا زیادتی پر موقوف نہیں ہے، تم اپنے آپ کو حقیر نہ جانو، جو بات ہوا کرے یا جو دل میں خیال آیا کرے صاف صاف بیان کر دیا کرو۔'' (صحیح بخاری)

حافظ ابن عبدالبرؒ نے ''الاستیعاب'' میں لکھا ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کے نزدیک حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی بڑی قدرومنزلت تھی اور وہ ان کو بہت محبوب تھے۔

'دائرۂ معارفِ اسلامیہ'' میں متعدد اربابِ سِیَر کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ خوش اخلاقی، وجاہت اور تفقہ فی کتاب اللہ کے باعث حضرت عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ کی بہت قدر کرتے اور مشکل مسائل میں ان سے مشورے کیا کرتے تھے اور اکثر ان کی رائے پر عمل کرتے اور کہتے تھے کہ ابنِ عباسؓ تم میں سب سے بڑے عالم ہیں۔ وہ فتی الکہول یعنی بوڑھوں کے جوان یا نوجوان بزرگ ہیں، ان کی زبان بکثرت سوال پوچھنے والی اور دل بڑا عقلمند ہے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو مصر کی تسخیر پر مامور فرمایا تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی جہاد کے لیے مصر تشریف لے گئے (۱۸ھ سے ۲۱ھ کے درمیان کسی وقت)۔ (دائرۂ معارفِ اسلامیہ)

حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہدِ خلافت میں عبداللہؓ بن ابی سرح کی سرکردگی میں افریقہ پر فوج کشی ہوئی (۲۷ھ) تو حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ بھی ایک جماعت کی معیت میں شریک مہم ہوئے۔ ایک موقع پر انہیں سفیر بنا کر افریقیہ کے حاکم جرجیر (Gregory گریگوری) کے پاس بھیجا گیا۔ حافظ ابن حجرؒ نے ''اِصابہ'' میں بیان کیا ہے کہ انہوں نے جرجیر کے ساتھ اس عمدگی سے گفتگو کی وہ ان کی غیر معمولی ذہانت اور قابلیت پر ششدر رہ گیا اور اس کی زبان پر

بے اختیار یہ الفاظ آ گئے:

''آپ حبرِ عرب (یعنی عرب کے بہت بڑے عالم) ہیں۔''

۲۹، ۳۰ہجری میں حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے حکم پر حضرت سعیدؓ بن عاص والیِ کوفہ نے جرجان اور طبرستان پر چڑھائی کی۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت سعیدؓ بن عاص کے لشکر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ تمام نوجوانانِ قریش شامل تھے۔ (اُسدُ الغابہ)

۳۵ہجری میں مفسدہ پردازوں نے مدینہ منورہ پر تسلّط جمالیا اور کاشانۂ خلافت کا محاصرہ کرلیا تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے مقدور بھر امیر المؤمنینؓ کی حمایت کی۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے بعض دوسرے جوانانِ قریش کے ساتھ مل کر کاشانۂ خلافت کے دروازے پر پہرہ بھی دیا۔ اسی دوران میں حج کا موسم آ گیا۔ چونکہ امیر المؤمنینؓ محصور تھے اور مکہ نہیں جاسکتے تھے اس لیے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو امیرِ حج مقرر فرمایا اور انہیں مناسب ہدایات دے کر قافلۂ حج کے ساتھ مکہ معظّمہ روانہ کردیا۔ اس طرح گویا امیر المؤمنینؓ نے حضرت ابن عباسؓ کو اپنا قائم مقام بنا دیا۔ وہ ابھی مکہ ہی میں تھے کہ امیر المؤمنینؓ کی شہادت کا دلدوز سانحہ پیش آیا۔ امارتِ حج کے فرائض سرانجام دے کر مدینہ منورہ واپس آئے تو وہاں حشر برپا تھا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد بہت سے لوگ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہٗ کو خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے پر مجبور کررہے تھے۔ انہوں نے اس بارے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مشورہ طلب کیا تو انہوں نے رائے دی کہ اس وقت جس کے ہاتھ پر بھی بیعت کی جائے گی اس پر حضرت عثمانؓ کے خونِ ناحق کا اتہام لگایا جائے گا لیکن لوگوں کو اس وقت آپ کی ضرورت ہے اس لیے اللہ کے بھروسے پر اس بارِ گراں کو اٹھا لیجیے۔

ایک اور روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے یہ الفاظ منسوب ہیں کہ ''آپ گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائیے یا اپنی جاگیر پر چلے جائیے اور خاموشی کا رویہ اختیار کیجیے۔ یہ لوگ ساری دنیا کی خاک چھان ماریں گے لیکن آپ کے سوا خلافت کا بارِ گراں اٹھانے کے قابل انہیں کوئی شخص نہیں ملے گا۔ خدا کی قسم اگر آپ ان مصریوں کو اپنے ساتھ لیں گے تو لوگ ضرور آپ پر قتلِ عثمانؓ کی تہمت لگائیں گے۔''

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے گوشہ نشین ہونا مناسب نہ سمجھا اور اہل مدینہ کے اتفاقِ عام سے مسند نشین خلافت ہوگئے۔ نئے سرے سے ملکی نظم ونسق کا اہتمام شروع ہوا تو حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو امیر معاویہؓ کی جگہ شام کا گورنر مقرر کرنا چاہا۔ انہوں نے یہ منصب قبول کرنے سے معذرت کی اور امیر المؤمنینؓ کو مشورہ دیا کہ ''امیر معاویہؓ کو موجودہ عہدے پر برقرار رکھیے اور انہیں اپنا حامی بنالیجیے۔ وہ حضرت عمرؓ کے زمانہ سے شام کے گورنر چلے آتے ہیں۔''

حضرت علیؓ نے یہ مشورہ قبول نہ کیا تاہم حضرت ابن عباسؓ کو بھی شام جانے پر مجبور نہ کیا۔ بہرحال حضرت ابن عباسؓ نے حضرت علیؓ کی بیعت کرلی اور ان کی حمایت پر کمربستہ ہوگئے۔

۳۶ھ میں جمل کی افسوسناک لڑائی پیش آئی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس لڑائی میں حضرت علیؓ کی طرف سے نہایت بہادری سے لڑے۔ بعض اربابِ سِیَر نے لکھا ہے کہ وہ لشکرِ مرتضوی میں اہل حجاز کی قیادت کررہے تھے۔ بصرہ پر اُمُّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حامیوں نے قبضہ کرلیا تھا، جنگ جمل میں حضرت علیؓ کو فتح ہوئی تو انہوں نے دوبارہ بصرہ پر قبضہ کرلیا اور حضرت عبداللہؓ بن عباس کو وہاں کا گورنر بنادیا۔

جنگِ جمل کے بعد حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان اختلاف شدت اختیار کرگیا یہاں تک کہ صفین کی جنگ پیش آئی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اہلِ بصرہ کی فوج لے کر حضرت علیؓ کی مدد کے لیے پہنچے۔ انہوں نے حضرت ابن عباسؓ کو اپنی فوج کے میسرہ کا افسر بنایا۔ وہ نہایت شجاعت اور پامردی سے لڑے۔ اثنائے جنگ میں فریقین تحکیم (ثالثی) پر متفق ہوئے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی معاہدۂ تحکیم پر دستخط کرنے والوں میں شامل تھے۔ امیر معاویہؓ کی طرف سے حضرت عمروؓ بن العاص حکم مقرر ہوئے اور حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کو حکم بنانا چاہتے تھے لیکن فریقِ مخالف نے اس پر یہ کہہ کر اعتراض کیا کہ عبداللہ بن عباسؓ اور آپ ایک ہی ہیں حالانکہ حکم (ثالث) کسی غیر جانبدار شخص ہونا چاہیے۔

تحکیم کا کوئی تسلی بخش نتیجہ برآمد نہ ہوسکا تاہم لڑائی کا خاتمہ ہوگیا۔ حضرت علیؓ نے کوفہ کو مراجعت کی اور حضرت معاویہؓ دمشق کو پلٹ گئے۔ اسی اثنا میں خوارج نے نہروان میں جمع ہوکر

علم بغاوت بلند کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی سرکشی کا سبب یہ تھا کہ حضرت علیؓ نے ثالثی (تحکیم) کیوں قبول کی۔ان کے نزدیک معاملاتِ دین میں حکم مقرر کرنا کفر تھا۔

مسند احمدؒ میں ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو خارجیوں کے پاس بھیجا کہ ان کو سمجھائیں بجھائیں اور بحث مباحثہ کر کے راہِ راست پر لائیں۔ حضرت ابن عباسؓ خوارج کے لشکر میں پہنچے تو ان کا ایک سردار ابن الکواء خطبہ دینے کے لیے کھڑا ہوا اور کہنے لگا:

''اے حاملینِ قرآن، یہ عبداللہ بن عباس ہیں میں ان کو خوب پہچانتا ہوں، ان کو ان کے دوست (علیؓ) کی طرف پلٹا دو، ہمیں مناظرہ کی ضرورت نہیں۔''

اس پر خوارج کے کچھ اور خطباء کھڑے ہو گئے اور کہا کہ ہم ان سے ضرور گفتگو کریں گے، اگر انہوں نے حق بات کہی جو ہماری سمجھ میں آ گئی تو ہم اس کا اتباع کریں گے اور اگر باطل کہی تو ہم ان کو قائل کریں گے۔ چنانچہ تین دن تک حضرت ابن عباسؓ اور خوارج کے درمیان قرآنِ حکیم کے حوالے سے گفتگو ہوتی رہی یہاں تک کہ چار ہزار آدمیوں نے اپنے خیالات سے توبہ کی۔ ان میں ابن الکواء بھی شامل تھا۔ حضرت ابن عباسؓ ان کو حضرت علیؓ کے پاس کوفہ لے آئے لیکن باقی خوارج اپنی روش پر قائم رہے۔ حضرت علیؓ نے ان کو پیغام بھیجا کہ:

''اگر تم خونریزی نہ کرو، ڈاکہ زنی نہ کرو اور ذمی رعایا کو نہ ستاؤ تو جہاں چاہو ٹھہر سکتے ہو بصورتِ دیگر میں تم سے لڑوں گا۔''

خوارج نے حضرت علیؓ کی بات نہ مانی۔ چنانچہ امیر المؤمنینؓ کوفہ سے ان کے استیصال کے لیے روانہ ہوئے۔ اُدھر حضرت عبداللہ بن عباسؓ بصرہ سے سات ہزار آدمیوں کے ساتھ حضرت علیؓ کی مدد کے لیے روانہ ہوئے اور نخیلہ کے مقام پر ان کے لشکر کے ساتھ آ ملے نہروان کے قریب حضرت علیؓ اور خوارج کے درمیان خونریز لڑائی ہوئی، جس میں خوارج کو عبرتناک شکست ہوئی۔ اس لڑائی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے نہایت پامردی سے دادِ شجاعت دی۔

۴

جنگِ نہروان میں شکست کھانے کے بعد بچے کھچے خوارج ایران میں جا داخل ہوئے اور وہاں کے ذمیوں کو اپنے ساتھ ملا کر ہر طرف شورش برپا کر دی۔ اہل ایران نے اکثر صوبوں

سے حکومت کے عمال کو نکال دیا اور خراج اور جزیہ دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت علیؓ نے اپنے تمام عمال کو طلب کر کے اس شورش کے بارے میں ان کی رائے پوچھی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے عرض کیا" ایران میں حالات پر قابو پانے کی ذمے داری میں لیتا ہوں۔"

چونکہ بصرہ کی حدود ایران کے باغی اضلاع کی حدود سے ملی تھیں اور حضرت ابن عباسؓ بصرہ کے فرائض امارت نہایت خوش اسلوبی سے انجام دے رہے تھے اس لیے حضرت علیؓ نے ان کو تمام ایران کی حکومت بھی سونپ دی اور وہاں کے حالات پر قابو پانے کی پوری ذمہ داری ان پر ڈال دی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بصرہ واپس آ کر ایک زبردست لشکر زیاد بن ابیہ کی سرکردگی میں باغیوں کی سرکوبی کے لیے ایران روانہ کیا۔ زیاد نے تھوڑے ہی عرصے میں باغیوں کو کچل دیا اور کرمان، فارس اور ایران کے دوسرے تمام صوبوں میں مکمل امن وامان قائم کر دیا۔

کچھ عرصے بعد حضرت عبداللہ بن عباسؓ بصرہ کے عہدۂ امارت سے مستعفی ہو گئے اور مکہ معظّمہ جا کر گوشہ نشین ہو گئے۔ حضرت ابنِ عباسؓ نے امارتِ بصرہ سے کب استعفادیا، اس کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں، بعض نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ ۳۸ھ میں پیش آیا۔ بعض نے اس کا سالِ وقوع ۳۹ھ اور ۴۰ھ بتایا ہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ حضرت علیؓ کی شہادت ۴۰ھ تک بصرہ کی امارت پر فائز رہے۔ "دائرۂ معارفِ اسلامیہ" میں ہے:

> "اس بات کو باور کرنے کے لیے قوی وجوہ ہیں کہ یہ علاحدگی (امارتِ بصرہ سے) ۳۸ھ میں واقع ہوئی۔"

حضرت ابنِ عباسؓ نے بصرہ کی امارت سے علاحدگی کیوں اختیار کی؟ اس کے بارے میں بھی مؤرّخین میں اختلاف ہے۔ بعض نے اس کا سبب یہ لکھا ہے کہ قاضیِ بصرہ ابوالاسود دوئلی نے ان پر بیت المال میں بے جا تصرف کرنے کا الزام لگایا۔ حضرت علیؓ نے ان سے جواب طلب کیا تو انہوں نے لکھا:

> "امیر المؤمنین، آپ کو جو کچھ بتایا گیا ہے وہ بالکل بے بنیاد ہے۔ میرے پاس جو کچھ بھی ہے میں اس کا محافظ اور نگران ہوں آپ کسی قسم کی بدگمانی کو دل میں جگہ نہ دیں۔"

یہ خط ملنے پر حضرت علیؓ نے ان سے بیت المال کا مفصل حساب کتاب طلب کیا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس کو بہت محسوس کیا اور امیر المؤمنینؓ کو خط بھیجا:

''میں نے محسوس کیا ہے کہ آپ اس شکایت کو کہ میں نے اہلِ بصرہ کے مال میں تصرف کیا ہے، زیادہ اہمیت دینا چاہتے ہیں اس لیے آپ اس منصب پر جس کو مناسب سمجھیں مقرر فرمائیں، میں اس سے سبکدوش ہوتا ہوں۔''

اس قسم کی کچھ اور روایات بھی ہیں، جن کو مغربی مستشرقین نے بہت اچھالا ہے لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ اپنی وفات تک ہمیشہ مسلمانوں کی عقیدت اور عزّت واحترام کا مرجع بنے رہے تو یہی باور کرنا پڑتا ہے کہ ان روایتوں میں کافی رنگ آمیزی کی گئی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے ان کا کسی معاملے میں اختلاف ہوگیا ہو لیکن یہ بات کہ ان کا دامن کبھی بیت المال میں تصرفِ بے جا سے آلودہ ہوا، لائق اعتنا نہیں ہے۔

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت حسنؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اپنی فوج کا سالار مقرر کیا۔ ''دائرۂ معارف اسلامیہ'' میں ہے کہ ''اس اثنا میں انہوں (ابن عباسؓ) نے امیر معاویہؓ کے ساتھ مصالحت کی کوشش شروع کردی لیکن یہ بات واضح نہیں ہے کہ انہوں نے یہ کام خود اپنی مرضی سے کیا یا امام الحسنؓ کے کہنے پر کیا۔ غالباً یہ ابن عباسؓ ہی تھے، جنہوں نے خلافت کے ان دو دعوے داروں کے درمیان مصالحت کرائی۔''

صورتِ واقعہ کچھ بھی ہو، یہ حقیقت ہے کہ سیدنا حضرت حسنؓ کی خلافت سے دستبرداری سے پہلے ہی حضرت ابن عباسؓ نے امیر معاویہؓ کو خط لکھ کر جان و مال کی امان حاصل کرلی اور مکہ جا کر عزلت گزیں ہوگئے۔

امیر معاویہؓ کے طویل عہد خلافت میں حضرت ابن عباسؓ کا مستقل قیام حجاز ہی میں رہا لیکن اس دوران میں وہ وقتاً فوقتاً امیر معاویہؓ سے ملنے دمشق جاتے رہتے تھے اس سے ان کی غرض بنو ہاشم کے مفادات کی حفاظت ہوتی تھی۔ جس زمانے میں سیدنا حضرت حسنؓ نے وفات پائی (۵۰ھ) حضرت ابن عباسؓ دمشق گئے ہوئے تھے۔ امیر معاویہؓ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے ان سے حضرت حسنؓ کی وفات پر تعزیت کی۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے الاستیعاب میں بیان کیا ہے کہ اس موقعے پر دونوں بزرگوں کے درمیان یہ گفتگو ہوئی:

حضرت امیر معاویہؓ: ابوالعباس اللہ تمہیں ابی محمد الحسن بن علیؓ کی موت پر اجر دے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّااِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ (آنسو ضبط کرتے ہوئے)
اللہ کی قسم ان کی موت سے آپ کی قبر پُر نہ ہو جائے گی اور نہ ان کی موت سے آپ کی زندگی بڑھ جائے گی۔ واللہ ہم کو ان سے بڑے کی موت کا صدمہ اٹھانا پڑا، خدا کی قسم اس کے بعد ہمارا کیا چارہ تھا؟

حضرت امیر معاویہؓ: وہ کس عمر کے تھے؟

حضرت ابن عباسؓ: ان کی ولادت اتنی مشہور ہے کہ آپ کو ان کی عمر معلوم کرنے کی ضرورت نہیں۔

حضرت امیر معاویہؓ: میرا خیال ہے کہ انہوں نے اپنے پیچھے چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے۔

حضرت ابن عباسؓ: ہم سب چھوٹے تھے پھر بڑے ہوئے۔ اگر اللہ نے ابی محمدؓ کو اپنے دامن رحمت میں چھپالیا تو ابھی ابوعبداللہ (حسینؓ) کو زندہ رکھا ہے اور ان جیسے نفوس خلفِ صالح ہوتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ جب بھی حضرت امیر معاویہؓ سے ملتے وہ ان کی بے حد تعظیم و تکریم کرتے، اعلیٰ پیمانے پر خاطر مدارات کرتے اور ان کو عطیے اور تحفے دیتے۔

مشہور شیعی مؤرّخ محمد بن علی بن طباطبا (ابن طقطقی) کا بیان ہے:

> ''اشرافِ قریش میں سے عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن جعفرؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ، ابان بن عثمانؓ اور آلِ ابی طالب کے افراد امیر معاویہؓ کے پاس دمشق آیا کرتے تھے وہ ان کی نہایت اعلیٰ پیمانہ پر خاطر داری اور مہمان نوازی کرتے تھے اور ان کی تمام ضروریات پوری کرتے تھے اس کے برعکس یہ اصحاب ان سے سختی کے ساتھ گفتگو کرتے اور چیں بہ جبیں رہتے لیکن امیر معاویہؓ ان کی باتوں کو ہنسی میں اڑادیتے یا ٹال جاتے اور ان کو قیمتی تحائف اور بڑی بڑی رقمیں دیتے۔'' (الفخری)

۴۹، ۵۰ھ (یا بروایت دیگر ۵۱، ۵۲ھ) میں امیر معاویہؓ نے قسطنطنیہ کی تسخیر کے لیے ایک لشکر روانہ کیا تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کئی دوسرے جوانانِ قریش کے ساتھ اس لشکر میں شامل ہو گئے اور رومیوں کے خلاف جہادِ فی سبیل اللہ کا شرف حاصل کیا۔ یہ وہی لشکر تھا، جس کے بارے میں سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا تھا کہ میری اُمّت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر جہاد کرے گا، اس کو اللہ نے بخش دیا ہے۔

۶۰ ہجری میں امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد یزید تختِ حکومت پر بیٹھا اور سیدنا حضرت حسینؓ نے اہلِ کوفہ کے اصرار پر مکہ سے سفر کی تیاری کی تو حضرت ابن عباسؓ حضرت حسینؓ کے پاس آئے اور ان سے کہا، ''اے ابن عم! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کوفہ جانے کا ارادہ رکھتے ہیں؟''

حضرت حسینؓ نے جواب دیا، ''ارادہ تو یہی ہے۔''

حضرت ابن عباسؓ نے کہا، ''اے ابن عم میں تمہارے لیے اللہ سے پناہ کا طالب ہوں، یہ ارادہ ترک کردو۔''

سیدنا حسینؓ نے جواب دیا: ''میں نے پختہ ارادہ کرلیا ہے اب تو جانا ہی ہوگا۔''

حضرت ابن عباسؓ نے کہا، ''کیا تم اس قوم کے پاس جارہے ہو، جس نے اپنے والی کو اپنے شہر سے نکال دیا ہے اور نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے؟ اگر واقعی وہ یہ کر گزرے ہیں تو تم بے شک ان کے پاس چلے جاؤ اور اگر ان کا والی بدستور ان پر حکومت کررہا ہے اور اس کے حکام ان لوگوں سے واجبات وصول کررہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ تمہیں لڑائی کی آگ میں کودنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ تم کو بھی اسی طرح چھوڑ دیں گے جس طرح تمہارے والد اور بھائی کو چھوڑ دیا تھا۔''

سیدنا حضرت حسینؓ نے فرمایا: اے ابن عم جو کچھ آپ نے کہا ہے میں اس پر غور کروں گا۔''

حضرت ابن عباسؓ اس وقت واپس چلے گئے لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ سیدنا حسینؓ اپنے ارادے پر قائم ہیں تو وہ تیسرے دن پھر ان کے پاس گئے اور کہا:

> ''اے ابن عم! میں نے بہت چاہا کہ اس معاملے میں دخل نہ دوں لیکن دل نہیں مانتا، میں پھر کہتا ہوں کہ کوفہ جانے میں مجھے تمہاری بربادی کا ڈر ہے۔ اہل کوفہ غدار لوگ ہیں ان پر بھروسا نہ کرو۔ تم اسی شہر میں مقیم رہو، تم اس شہر کے باشندوں کے سردار ہو اور اگر یہ بات قبول نہیں تو پھر یمن چلے جاؤ وہاں قلعے، گھاٹیاں اور سرنگیں ہیں۔ علاقہ بڑا طویل و عریض اور محفوظ ہے، وہاں تمہارے والد کے حامی بھی موجود ہیں۔ ویسے بھی تم وہاں لوگوں سے الگ ایک گوشے میں پڑے ہوگے، لوگوں سے آسانی کے ساتھ نامہ و پیام کرسکو گے پھر وہیں سے اپنے داعی تمام ملک میں پھیلا سکتے ہو۔ اگر تم یہ طریق عمل اختیار کرو تو مجھے امید ہے کہ اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہوگے۔''

سیدنا حسینؓ نے جواب دیا۔ ''اے ابن عم! خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ آپ میرے سچے خیر خواہ اور شفیق ہیں لیکن اب میں نے کوفہ جانے کا عزم بالجزم کر لیا ہے۔''

حضرت ابن عباسؓ نے کہا: ''اگر تمہارا جانا ناگزیر ہے تو پھر عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لے جاؤ۔ خدا کی قسم مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم بھی اسی طرح شہید نہ کر دیے جاؤ، جس طرح عثمانؓ کو ان کے عیال کے سامنے شہید کر دیا گیا تھا۔''

سیدنا حسینؓ نے جواب دیا: ''اے ابن عم میں تو اہل وعیال کے ساتھ ہی جاؤں گا۔''

اب حضرت ابن عباسؓ خاموش ہو گئے۔ قضاوقدر کو یہی منظور تھا کہ کربلا کا سانحۂ جانگداز پیش آئے۔ حضرت ابن عباسؓ حضرت حسینؓ سے رخصت ہو کر واپس جا رہے تھے کہ راستے میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے ملاقات ہوگئی۔ ان کا گمان تھا کہ ابن زبیرؓ خلافت کے دعویدار ہیں اس لیے حضرت حسینؓ کے مکہ چھوڑ دینے پر خوش ہوں گے حالانکہ واقعہ یہ تھا کہ خود ابن زبیرؓ سیدنا حسینؓ کو مکہ میں مقیم رہنے اور کوفہ نہ جانے کا مشورہ دے چکے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے اپنے گمان کے تحت ابن زبیرؓ سے مخاطب ہو کر کہا: ''حسینؓ کے جانے سے تمہارے دل میں تو ٹھنڈک پڑ گئی۔'' پھر یہ شعر پڑھا:

خَلَا لَکِ الجَوّ فَبِیْضِیْ واصْفِرِیْ
و نَقّرِی مَاشَئتِ اَنْ تُنقَّرِی

(اے پرندے اب تو ساری فضا کا مالک ہے، انڈے دے، چہچہا اور جب تک اور جو کچھ جی چاہے چگتا پھر)

حضرت ابن عباسؓ کے خدشات درست ثابت ہوئے۔ سیدنا حسینؓ میدان کربلا میں اپنے متعدد اعزّہ و اقربا اور اعوان و انصار سمیت خواتین اور بچوں کے سامنے شہید کر دیے گئے۔ حضرت ابنِ عباسؓ کو اس دلدوز سانحہ کی خبر سن کر اس قدر صدمہ ہوا کہ وہ ساری عمر اس پر اشکبار رہے۔

(۵)

حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مکہ میں خلافت کا دعویٰ کیا اور لوگوں سے بیعت خلافت لینی شروع کی۔ اہل حجاز کی بہت بڑی تعداد نے ان کے

ہاتھ پر خوش دلی سے بیعت کر لی لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ان کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ ابن زبیرؓ کے حریف اور یزید کے حامی تھے بلکہ اس کا سبب یہ تھا کہ وہ سیاسی تنازعات اور سیاسی بکھیڑوں سے بالکل کنارہ کش ہو چکے تھے، امیر معاویہؓ نے اپنی زندگی میں ان سے یزید کی بیعت کے لیے کہا تھا تو اس وقت بھی انہوں نے اس سے انکار کر دیا تھا۔ ابن زبیرؓ نے ان پر بیعت کے لیے بڑا زور دیا لیکن وہ نہ مانے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ ابن زبیرؓ نے بیعت سے مسلسل انکار کی بنا پر انہیں اور محمد بن حنیفہ کو قید کر دیا تھا، ابن زبیرؓ کے دوسرے بڑے حریف مختار بن ابی عبید ثقفی کو اطلاع ملی تو اس نے کوفے سے سواروں کا ایک بڑا دستہ بھیجا۔ اس دستے نے اچانک چھاپہ مار کر انہیں رہائی دلائی۔ یہ دستہ چاہتا تھا کہ ابن زبیرؓ کی فوج سے بھی نبرد آزما ہو لیکن ابن عباسؓ نے اسے منع کر دیا اور فرمایا کہ میں حرم میں خونریزی پسند نہیں کرتا۔ اس سلسلے میں ابن اثیرؒ نے مختار کے فرستادہ اس دستے میں شامل ایک شخص کی زبانی دو عجیب باتیں نقل کی ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت ابن زبیرؓ محمد بن حنیفہؒ اور ابن عباسؓ کو زندہ جلا دینا چاہتے تھے اور اس مقصد کے لیے انہوں نے ان کی قیام گاہ کے گرد (جس میں وہ قید تھے) لکڑیوں کا انبار لگوا دیا تھا۔

دوسری یہ کہ جب یہ دستہ مکہ پہنچا تو ابن زبیرؓ نے کعبہ کا غلاف پکڑ کر پناہ مانگی۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں باتیں ابن زبیرؓ کے مخالفین نے انہیں بدنام کرنے کے لیے وضع کیں۔ اگر درایت سے کام لیا جائے تو ان کے غلط ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اگرچہ صغارِ صحابہؓ میں سے تھے لیکن اپنے علم و فضل اور اوصاف و محاسن کی وجہ سے اکابر صحابہؓ میں شمار ہوتے تھے، وہ بیعت سے انکار کی بنا پر کسی کو زندہ جلانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے اور پھر حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت محمد بن حنفیہؒ کوئی معمولی شخصیتیں نہیں تھیں کہ انہیں زندہ جلا دیا جاتا اور اہل مکہ خاموش تماشائی بنے رہتے۔ حضرت ابن زبیرؓ عرب کے شجاع ترین لوگوں میں شمار ہوتے تھے ان کے بارے میں یہ کہنا کہ اپنے مخالفین کا ایک دستہ دیکھ کر وہ غلاف کعبہ سے لٹک کر پناہ مانگنے لگے، محض کذب و افترا ہے۔

مختلف روایتوں کو سامنے رکھ کر صورت واقعہ اس طرح نظر آتی ہے:

۱- ابن زبیرؓ نے حضرت ابن عباسؓ اور محمد بن حنفیہؒ سے بیعت کا مطالبہ کیا جب وہ نہ مانے تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔

۲- مختار بن ابی عبید ثقفی نے قاتلانِ حسینؓ سے انتقام لیا تو ابن عباسؓ اور محمد بن حنفیہؒ نے اس پر خوشنودی کا اظہار کیا۔ بعد میں مختار نے ابن زبیرؓ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ ابن زبیرؓ کو شبہ ہوا کہ مختار کو ابن عباسؓ اور محمد بن حنفیہؒ کی حمایت حاصل ہے۔ انہوں نے ازراہِ احتیاط ان دونوں بزرگوں کو (ابن عباسؓ کو ان کے مکان میں اور محمد بن حنفیہؒ کو چاہِ زمزم کی چاردیواری میں) نظر بند کر دیا لیکن وہ ہر وقت مکہ سے باہر جانے کی قدرت رکھتے تھے۔ حضرت محمد بن حنفیہؒ نے تو کوفہ جانے کا ارادہ بھی کیا مگر مختار کو ان کا کوفہ آنا پسند نہیں تھا اس لیے وہ مکہ ہی میں رک گئے۔

۳- مختار نے سواروں کا ایک مسلح دستہ مکہ بھیجا، جو ان دونوں بزرگوں کو اپنے ساتھ منیٰ لے آیا اور خود واپس چلا گیا۔ وہاں چند دن قیام کرنے کے بعد دونوں طائف چلے گئے۔ ایک روایت کے مطابق طائف جانے سے پہلے حضرت ابن عباسؓ نے ابن زبیرؓ سے سخت لہجے میں گفتگو کی تاہم اس کے بعد ابن زبیرؓ نے ان سے کوئی تعرض نہ کیا۔ مختار کے بھیجے ہوئے دستے سے حضرت ابن زبیرؓ اس لیے نبرد آزما نہ ہوئے کہ وہ حرمِ مکہ میں خونریزی کی ابتدا نہیں کرنا چاہتے تھے۔

۴- یہ درست ہے کہ ابن عباسؓ نے ابن زبیرؓ کی بیعت نہیں کی لیکن وہ ابن زبیرؓ کے دشمن نہیں تھے اور ان کے فضائل و محامد کا برملا اعتراف کرتے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ اگر تم رسول اللہ ﷺ کی نماز دیکھنا چاہتے ہو تو ابن زبیرؓ کی نماز دیکھو۔ (مسند احمد)

صحیح بخاری میں ابن ابی ملیکہؒ سے روایت ہے کہ ایک دن میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا، کیا آپ ابن زبیرؓ سے لڑ کر حرم الٰہی کو حلال کرنا چاہتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا، معاذ اللہ، حرم میں خونریزی کرنا بنو امیہ اور ابن زبیرؓ کی قسمت میں لکھا ہے، خدا کی قسم میں ایسی جرأت نہیں کر سکتا۔

میں نے کہا، لوگ ابن زبیرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں، معلوم نہیں وہ خلافت کا دعویٰ کس بنا پر کر رہے ہیں۔ ابن عباسؓ نے فرمایا، کیوں نہ کریں، ان کے والد زبیرؓ حواریِ رسولؐ تھے، ان کے نانا ابوبکرؓ رسول اللہ ﷺ کے رفیقِ غار تھے، ان کی والدہ اسماءؓ ذات النطاق تھیں، ان کی خالہ عائشہؓ اُمّ المومنین تھیں، ان کے والد کی پھوپھی خدیجہؓ رسول اللہ ﷺ کی حرمِ محترم تھیں

اوران کی دادی صفیہؓ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی تھیں۔ پھر وہ خود اسلام میں پاکباز اور قاریِ قرآن ہیں۔ خدا کی قسم اگر وہ میرے ساتھ کوئی احسان کریں گے تو یہ ایک رشتہ دار کا احسان ہوگا اور اگر وہ میری پرورش کریں گے تو یہ اپنے ذی عزت ہم عصر کی پرورش ہوگی۔

امام ذہبیؒ اور بعض دوسرے اہلِ سِیَر کا بیان ہے کہ زندگی کے آخری دَور میں حضرت ابن عباسؓ کی بینائی جاتی رہی۔ قیامِ طائف ہی کے دوران ۶۸ھ (۶۸۷ء) میں سخت بیمار ہوگئے۔ جب جانبری کی امید نہ رہی تو اپنے بستر کے گرد جمع احباب واقارب اور معتقدین کے ہجوم سے مخاطب ہوکر فرمایا:

> ''میں ایک ایسی جماعت کے درمیان دنیا سے رخصت ہوں گا، جو زمین پر اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور مقرب ہے۔ اس لیے اگر میں تم لوگوں کے درمیان دم توڑ دوں تو یقیناً تم ہی وہ جماعت ہو۔''

سات روز کی علالت کے بعد اس آفتابِ علم وفضل نے پیک اجل کو لبیک کہا۔ وفات کی خبر پھیلی تو ہر طرف کہرام مچ گیا اور مخلوقِ خدا چاروں طرف سے آخری بار زیارت کے لیے اُمڈ پڑی۔ حضرت محمد بن حنفیہؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور امام المفسرین کو سرزمین طائف میں سپردِ خاک کر کے فرمایا:

> ''خدا کی قسم آج اُمت کا بہت بڑا عالم دنیا سے اٹھ گیا۔''

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی کتابِ زندگی کا سب سے زیادہ روشن باب ان کا علم وفضل ہے۔ اس اعتبار سے وہ حقیقی معنوں میں حِبر یا بحر تھے۔ بڑے بڑے عظیم المرتبت صحابۂ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور دوسرے علمائے سلف ان کے علم وفضل اور ذہانت وذکاوت کے معترف اور مدّاح تھے۔ سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کے نزدیک ان کا جو مقام اور مرتبہ تھا اس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے تھے کہ ابن عباسؓ قرآن کی تفسیر کرتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے، جیسے وہ شفاف پردے کے پس منظر سے غیب کی چیزیں دیکھ رہے ہیں۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود کا قول ہے کہ ابن عباسؓ بہترین ترجمان القرآن ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ جو کچھ محمد ﷺ پر نازل ہوا ہے، اسے امت محمدؐیہ میں ابن عباسؓ سب سے زیادہ جانتے ہیں۔

حضرت عبیداللہؒ بن عباسؓ کا قول ہے کہ میں نے عبداللہ بن عباسؓ سے بڑھ کر کسی کو سنت کا عالم، ان سے زیادہ صائب الرائے اور ان سے بڑا دقیق النظر کسی کو نہیں دیکھا۔

حضرت اُبَیؓ بن کعب انصاری کے صاحب زادے محمدؒ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن عبداللہ بن عباسؓ میرے والد کے پاس بیٹھے تھے وہ اٹھ کر گئے تو میرے والد نے فرمایا، ایک دن یہ شخص اِس اُمّت کا حِبر ہوگا۔

حضرت طاؤس تابعیؒ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ستر اصحاب کو دیکھا ہے کہ جب وہ کسی مسئلہ میں ابن عباسؓ سے گفتگو کرتے تھے اور دونوں میں اختلاف رائے ہوتا تو آخر میں ابن عباسؓ کے قول پر ہی فیصلہ ہوتا۔

حضرت قاسم بن محمدؒ کا بیان ہے کہ ہم نے عبداللہ بن عباسؓ کی مجلس میں کبھی کوئی باطل تذکرہ نہیں سنا اور ان سے زیادہ کسی کا فتویٰ سنت نبوی کے مشابہ نہیں دیکھا۔

''دائرۂ معارف اسلامیہ'' میں علامہ محمد حسین الذہبی کا یہ بیان نقل کیا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ علم وفضل کے اعتبار سے جس بلند مقام پر فائز تھے اس کے یہ پانچ اسباب تھے:

۱- رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی تھی کہ یا اللہ اسے کتاب وحکمت کا علم، دین کی سمجھ اور تاویل قرآن کا فہم عطا کر۔
۲- خانوادۂ نبوت میں تربیت ہوئی۔
۳- کبار صحابہؓ کی صحبت میسر آئی۔
۴- قوتِ حافظہ کے ساتھ لغت وادب عرب کا حفظ ہونا۔ (انہوں نے عمر بن ابی ربیعہ کے ۸۰ اشعار صرف ایک مرتبہ سن کر یاد کر لیے تھے)۔
۵- اجتہاد کے مرتبہ کا حاصل ہونا۔

حضرت ابن عباسؓ دینی علوم کے علاوہ دوسرے تمام مروّجہ علوم میں بھی درجۂ تبحّر رکھتے تھے۔ وہ جملہ علوم ومعارف کے جامع تھے۔ قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ اور فرائض کے ساتھ ادب وانشاء، زبان ولغت، سیرت ومغازی، انساب، شعروشاعری اور حساب وغیرہ میں بھی

یدِطولیٰ رکھتے تھے۔ محدثین کرامؒ اور اربابِ سِیَر نے ان کی قرآن فہمی کے بے شمار واقعات بیان کیے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قرآنِ حکیم کی تمام آیات کی جزئیات تک سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ جب قرآن مجید کی کسی آیت کی تحقیق کرنا چاہتے تو صحابۂ کرامؓ سے اس کے بارے میں پوچھتے لیکن جب انہیں تسلّی بخش جواب نہ ملتا تو وہ حضرت ابن عباسؓ کی طرف رجوع فرمایا کرتے اور ان کی تفسیر پر اعتماد کرتے۔ ابن عباسؓ کا قاعدہ تھا کہ قرآن مجید کے غریب الفاظ کے سمجھنے کے لیے قدیم عرب شعرا کے کلام کی طرف رجوع فرمایا کرتے تھے۔ گو بعض دیگر صحابہ کا بھی یہ دستور تھا لیکن ابنِ عباسؓ اس خصوصیت میں ممتاز تھے۔

تمام اہل سیر اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کو قرآن حکیم کی تفسیر و تاویل میں غیر معمولی مہارت حاصل تھی۔ اسی طرح آیاتِ قرآنی کی شانِ نزول اور ناسخ و منسوخ کے علم میں ان کو جو تبحرّ حاصل تھا اس کی ہمسری بہت کم صحابہؓ کر سکتے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ کی طرف تفسیر کی ایک کتاب منسوب کی جاتی ہے، جس کا نام ہے ''تنویر المقباس من تفسیر ابن عباسؓ'' اس کو ''القاموس المحیط'' کے مؤلف ابوطاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی (المتوفی ۸۱۷ھ) نے جمع کیا ہے اور یہ مصر میں کئی بار چھپ چکی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کو حدیث سے بھی شغف تھا، عہدِ رسالت میں گو وہ کمسن تھے لیکن حافظہ نہایت قوی پایا تھا۔ حضورؐ سے جو کچھ سنتے تھے اسے یاد کر لیتے تھے۔ آپؐ کے وصال کے بعد انہوں نے کبار صحابہؓ کی صحبت اختیار کی اور ان کی احادیث سننے اور یاد کرنے کا خاص اہتمام کیا وہ ہر وقت حدیثِ رسول اکرم ﷺ کی تلاش و جستجو میں رہتے تھے۔ جہاں کہیں سراغ ملتا کہ فلاں صاحب کے پاس کوئی حدیث ہے تو خود چل کر ان کے پاس جاتے اور وہ حدیث حاصل کرتے۔

حضرت ابوسلمۃؓ کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے کہ جس شخص کے متعلق مجھے معلوم ہوتا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث سنی ہے تو میں خود اس کے مکان پر جا کر حاصل کرتا حالانکہ اگر میں چاہتا تو راوی کو اپنے یہاں بلوا سکتا تھا۔

حضرت ابورافعؓ رسول اکرم ﷺ کے غلام رہ چکے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ کاتب کو ساتھ لے کر ان کے پاس جاتے اور حضورؐ کے روزانہ معمولات کے بارے میں دریافت کرتے۔ جو معلومات ان سے حاصل ہوتیں انہیں کاتب سے لکھواتے جاتے۔ اس تجسس کی وجہ سے ان کو

ہزار ہا احادیث از بر یاد ہوگئی تھیں لیکن وہ روایت حدیث میں بے حد احتیاط سے کام لیتے تھے یہاں تک کہ وہ دور بھی آیا جب انہوں نے حدیث بیان کرنا بالکل ترک کر دیا۔ فرماتے تھے کہ جب سے لوگوں نے ہر قسم کی رطب دیا بس حدیثیں بیان کرنا شروع کر دیں اس وقت سے ہم نے روایت ہی کرنا چھوڑ دیا۔ اس احتیاط کے باوجود ان سے دو ہزار چھ سو ساٹھ (۲۶۶۰) احادیث مروی ہیں اور ان کا شمار راویانِ حدیث کے طبقۂ اول میں ہوتا ہے۔ کثیر الروایۃ صحابۂ کرامؓ میں حضرت ابو ہریرۃؓ کے بعد انہی کا نام آتا ہے۔ ان کے راویانِ حدیث اور شاگردوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ چند کے اسماءِ گرامی یہ ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت مسورؓ بن مخرمہ، حضرت ابوالطفیلؓ، حضرت کثیر بن عباسؒ (بھائی)، محمدؒ بن عبداللہؒ (بیٹے) علیؒ بن عبداللہؒ (بیٹے) محمدؒ بن علیؒ (پوتے) عبداللہؒ بن عبید اللہؒ (بھتیجے) حضرت سعیدؒ بن مسیّبؒ، حضرت ابوسلمہؒ بن عبدالرحمٰنؒ، حضرت قاسمؒ بن محمد، حضرت عطاءؒ، حضرت سعیدؒ بن جبیر، حضرت عکرمہؒ، حضرت طاؤسؒ، حضرت سلیمان بن یسارؒ، حضرت عامر الشعبیؒ، حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہؒ، حضرت عمرو بن میمونؒ، حضرت نافع بن جبیرؒ، حضرت محمد بن سیرینؒ، حضرت یزید بن اصمؒ، حضرت مجاہدؒ، حضرت ابوالعالیہؒ، حضرت عمرو بن دینارؒ، حضرت عمار بن ابی عمارؒ، حضرت یحییٰ ابن یعمرؒ، حضرت عبداللہ بن شدادؒ، حضرت کریبؒ، حضرت ابورجاء عطاردیؒ۔

حضرت ابن عباسؓ کو فقہ اور اجتہاد میں بھی نہایت بلند مقام حاصل تھا۔ حافظ ابن حجرؒ نے "تہذیب التہذیب" میں لکھا ہے کہ "امام ابوبکر محمد بن موسیٰؒ نے (جو خلیفہ مامون الرشید عباسی کے پڑپوتے تھے) ابن عباسؓ کے فتاویٰ بیس جلدوں میں جمع کیے تھے۔" اس سے حضرت ابن عباسؓ کے تفقہ فی الدین کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ "وہ فرائض اور حساب میں بھی ممتاز درجہ رکھتے تھے۔"

شعر و شاعری میں بھی درک رکھتے تھے اور نہایت عمدہ شعر کہہ لیتے تھے۔ ابن رشیقؒ نے "کتاب العمدۃ" میں ان کے چند اشعار بطور نمونہ درج کیے ہیں۔ سخن فہمی میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان کو جاہلی شعرا کے ہزاروں اچھے اشعار از بر تھے۔ زبان و لغت اور انساب پر بھی ان کی گہری نظر تھی۔ غرض ان کی ذات جامع العلوم کی حیثیت رکھتی تھی۔ نہایت شیریں زبان تھے۔

گفتگو میں ادب کی چاشنی اور غضب کی فصاحت و بلاغت ہوتی تھی۔ تقریر نہایت مؤثر اور دلآویز ہوتی تھی۔ شقیق تابعیؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ابن عباسؓ نے حج کے موقعے پر خطبہ دیا اور اس میں سورۂ نور کی تفسیر ایسے اچھوتے انداز میں بیان کی کہ اس سے پہلے نہ میرے کانوں نے سنی تھی نہ آنکھوں نے دیکھی تھی۔ اگر اس کو فارس اور روم سن لیتے تو پھر ان کو کوئی چیز حلقہ بگوش اسلام ہونے سے نہ روک سکتی۔ ابن ابی شیبہؒ کی روایت میں اتنا اور اضافہ ہے کہ ایک شخص بولا کہ ابن عباسؓ کی خوش بیانی اور مٹھاس پر میرا دل چاہتا تھا کہ ان کا سر چوم لوں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے علم کی بے اندازہ دولت کو اپنے تک ہی محدود نہ رکھا بلکہ تمام عمر اس کو مخلوقِ خدا میں بے دریغ لٹاتے رہے۔ ان کا حلقۂ درس بڑا وسیع تھا، جس سے ہزاروں طالبانِ علم مسلسل فیضیاب ہوتے رہتے تھے۔ ''مستدرک حاکم'' میں ابوصالح تابعیؒ سے روایت ہے کہ میں نے ایک دفعہ حضرت ابن عباسؓ کے مکان کے سامنے لوگوں کی اتنی بڑی بھیڑ دیکھی کہ ان کی کثرتِ تعداد کی وجہ سے آمد و رفت کا راستہ رک گیا تھا۔ میں نے اس اژدہام کی اطلاع حضرت ابن عباسؓ کو دی تو انہوں نے وضو کے لیے پانی طلب کیا۔ وضو کے بعد مجھ سے فرمایا کہ قرآن کریم کی تفسیر یا اس کے رموز و معارف کے بارے میں جو لوگ سوال کرنا چاہتے ہوں، ان کو اندر بلا لو۔ میں نے آواز دی تو میرے دیکھتے ہی دیکھتے سارا گھر اور ملحقہ حجرے بھر گئے۔ ابن عباسؓ نے فرداً فرداً ہر شخص کے سوال کا جواب دیا اور سب کو مطمئن کر کے رخصت کر دیا۔ پھر مجھ سے فرمایا، فقہ حدیث اور حرام و حلال کے سائلوں کو بلاؤ، میں نے انہیں بلایا تو ان سے بھی سارا گھر بھر گیا۔ ابن عباسؓ نے ان کو بھی تسلی بخش جواب دے کر رخصت کیا۔ پھر فرمایا، اب فرائض وغیرہ کے سائلوں کو بلاؤ۔ ان کے جم غفیر سے بھی گھر میں تل دھرنے کی جگہ نہ رہی۔ ابن عباسؓ نے ان کے سوالات بھی حل کیے۔ آخر میں عربی زبان، ادب و انشاء اور شعر و سخن کے سائلوں کو طلب کیا۔ ان کی کثرت تعداد کا بھی وہی حال تھا۔ حضرت ابن عباسؓ نے ان کے سوالات سے زیادہ جوابات دیے اور سب کی تشفی کر دی۔ ابوصالح کہتے ہیں کہ میں نے کسی شخص کی اتنی بڑی مجلس کبھی نہ دیکھی تھی۔

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے کوئی شخص علم کے کسی بھی شعبہ کے متعلق کوئی سوال کرتا تو اس کو اس کا جواب ضرور ملتا۔

حضرت ابن عباسؓ بعض اوقات علمی مذاکروں کے لیے خاص دن مقرر کر دیتے تھے۔ کسی دن تفسیر کا درس دیتے تھے۔ کسی دن حدیث اور فقہ کا، کسی دن تاویل قرآن پر روشنی ڈالتے تھے، کسی دن ایام عرب کی داستانیں بیان کرتے اور کسی دن مغازی کے واقعات سناتے۔ کسی دن زبان و ادب اور لغت کے نکات بیان کرتے۔ کسی دن شعر وسخن سے مجلس کو آراستہ کرتے اور کسی دن انساب کا تذکرہ کرتے۔ غرض ان کی مجالس اور حلقۂ درس میں علوم و معارف کے چشمے ابلتے رہتے تھے۔

درس کے حلقوں کے علاوہ وہ کبھی کبھی نماز کے بعد اپنے خطبات کے ذریعے بھی لوگوں کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں عبداللہ بن شقیقؒ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابن عباسؓ نے عصر کی نماز کے بعد ہمارے سامنے تقریر شروع کی، یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا اور تارے نکل آئے۔ لوگ نماز نماز کی آوازیں بلند کرنے لگے۔ بنو تمیم کے ایک شخص نے تو مسلسل نماز نماز پکارنا شروع کر دیا۔ اس پر ابن عباسؓ کو غصہ آ گیا۔ انہوں نے اس کی طرف گھور کر دیکھا اور کہا، تیری ماں مرے، تو مجھ کو سنت کی تعلیم دیتا ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپؐ (کبھی کبھی) ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازیں ملا کر پڑھا کرتے تھے۔

راوی (عبداللہ بن شقیقؒ) کہتے ہیں کہ میرے دل میں یہ بات کھٹکتی رہی۔ میں نے جا کر حضرت ابوہریرہؓ سے پوچھا تو انہوں نے حضرت ابن عباسؓ کی تصدیق کی اور فرمایا کہ انہوں نے جو کچھ کہا وہ صحیح ہے۔

قیام کے علاوہ سفر میں بھی حضرت ابن عباسؓ کا چشمۂ فیض جاری رہتا تھا۔ مکہ معظمہ سے باہر قیام ہوتا اور حج کے لیے مکہ آتے تو طالبانِ علم ان کے فیضان سے بہرہ یاب ہونے کے لیے ٹوٹ پڑتے۔

مکہ میں مستقل قیام کے دوران میں مدینہ منورہ جاتے تو وہاں بھی ان کی قیام گاہ ہر وقت شائقین علم سے بھری رہتی۔ بصرہ، کوفہ، دمشق، طائف جہاں بھی جاتے لوگ ان کے خوان علم سے ریزہ چینی کے لیے ٹوٹ پڑتے تھے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا تو غیر زبان والے لوگ بھی مسائل کی تحقیق یا کسب علم کے لیے ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ انہوں نے ان لوگوں کی سہولت کے لیے کچھ ترجمان مقرر کردیے جو عربی بھی جانتے تھے اور ان لوگوں کی زبان بھی۔

حضرت ابن عباسؓ کو یہ بات سخت ناپسند تھی کہ لوگ تقدیر جیسے نازک اور دقیق مسئلہ پر بحث مباحثہ کریں کیونکہ خود سرورِ عالم علیہ نے لوگوں کو ایسا کرنے سے منع فرمایا تھا۔ ان کا موقف یہ تھا کہ تقدیرِ الٰہی پر ایمان رکھنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔ اس میں موشگافیاں کرنے سے گمراہی کا دروازہ کھل سکتا ہے۔ مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ کو اطلاع ملی کہ ایک شخص تقدیر کا منکر ہے۔ اس زمانے میں وہ نابینا ہو چکے تھے۔ اس کے باوجود لوگوں سے فرمایا، مجھے اس شخص کے پاس لے چلو۔ لوگوں نے پوچھا، آپ اس کے پاس جا کر کیا کریں گے؟ فرمایا، اگر ہو سکا تو اس کی ناک کاٹ ڈالوں گا اور اگر گردن پر ہاتھ پڑ گیا تو اسے توڑ دوں گا۔ میں نے رسول اللہ علیہ سے سنا ہے آپؐ فرماتے تھے" میں بنوفہر کی عورتوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ کعبہ کا طواف کر رہی ہیں اور سب کی سب اعمال شرک میں مبتلا ہیں۔" تقدیر کا انکار اس اُمت کے شرک میں مبتلا ہونے کی پہلی علامت ہے۔ مجھے اپنے خالق کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ ایسے لوگوں کا فساد یہیں تک محدود نہ رہے گا بلکہ جس طرح انہوں نے شر کی تقدیر سے انکار کیا ہے اسی طرح خدا کی خیر کی تقدیر سے بھی منکر ہو جائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نہایت شریف الطبع اور منکسر المزاج تھے۔ اصحابِ فضل و کمال کی حد سے زیادہ تعظیم وتکریم کرتے تھے۔ جس زمانے میں بصرہ کے والی تھے، حضرت ابوایوب انصاریؓ ان کے پاس تشریف لے گئے اور اپنی احتیاج کا ذکر کیا تو حضرت ابن عباسؓ نے دل کھول کر ان کی مدد کی کیونکہ ہجرت کے بعد وہ سرورِ عالم علیہ کے میزبان بنے تھے۔ حافظ ذہبیؒ کا بیان ہے کہ انہوں نے چالیس ہزار درہم اور بیس خادموں کے علاوہ گھر کا سارا اثاثہ ان کے حوالے کر دیا۔ (سیر اعلام النبلاء)

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ بصرہ تشریف لے گئے تو حضرت ابن عباسؓ نے ان کے سامنے دیدہ و دل فرشِ راہ کر دیے اور کہا میں چاہتا ہوں کہ جس طرح آپ نے رسول اللہ ﷺ کی اقامت کے لیے اپنا گھر خالی کر دیا تھا، میں بھی آپ کے لیے اپنا گھر خالی کر دوں۔ پھر انہوں نے اپنے تمام اہل وعیال کو دوسرے مکان میں منتقل کر دیا اور مکان مع اس تمام ساز و سامان کے جو گھر میں موجود تھا، حضرت ابوایوبؓ کی نذر کر دیا۔ (سیر انصار جلد اوّل)

ایک مرتبہ حضرت زیدؓ بن ثابت انصاری سوار ہوئے تو حضرت ابن عباسؓ نے پاس ادب کے طور پر ان کی رکاب تھام لی۔ حضرت زیدؓ بن ثابت نے فرمایا:

''اے رسول اللہ ﷺ کے ابن عم! ایسا نہ کیجیے یہ مناسب نہیں ہے۔''

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ''ہمیں اپنے علماء کا اسی طرح ادب و احترام کرنا چاہیے۔''

(حضرت زیدؓ بن ثابت بھی بہت بڑے عالم تھے اور مقری، فرضی، کاتب الوحی، اور حبر الاُمّت کے القاب سے مشہور تھے۔)

حضرت زیدؓ بن ثابت نے ان کا ہاتھ چوم لیا اور فرمایا:

''ہمیں بھی اپنے نبی ﷺ کے اہل بیت کا اسی طرح ادب کرنا چاہیے۔''

(مستدرک حاکم)

سرورِ عالم ﷺ کے وصال کے بعد ایک دفعہ ایک انصاری صاحب رسولؐ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا لیکن آپؐ کے اصحاب ابھی ہمارے درمیان موجود ہیں چلو ان سے علم حاصل کریں۔

انصاری صاحب رسولؐ نے کہا ''ابن عباس! مجھ کو تم پر حیرت ہوتی ہے، تم جانتے ہو کہ لوگ خود تمہارے علم کے محتاج ہیں پھر تم دوسروں کے پاس جاتے ہو؟''

حضرت ابن عباسؓ نے یہ جواب سن کر ان کو چھوڑ دیا اور اپنا معمول بنا لیا کہ تنہا ہر ایسے صاحبؓ رسولؐ کے پاس پہنچ جاتے، جن کے بارے میں انہیں اطلاع ملتی کہ انہوں نے سرورِ عالم ﷺ سے کوئی حدیث سنی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ ان کے دروازے پر دستک دیتے وہ باہر نکلتے تو ان سے پوچھتے، کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث سنی ہے وہ کہتے، اے ابن عم رسولؐ،

آپ نے یہاں تشریف لانے کی تکلیف کیوں فرمائی، کسی دوسرے کو بھیج دیا ہوتا، حضرت ابن عباسؓ فرماتے، نہیں یہ میرا فرض تھا۔

اس مقصد کے لیے وہ ان اصحاب کے پاس بھی بلا جھجک چلے جاتے تھے، جن سے ان کا مقام و مرتبہ کہیں بلند تھا اور جو ان کے ایک اشارے پر خود دوڑ کر ان کے پاس چلے آتے۔

حدیث کے علاوہ دوسرے علوم کی تحصیل کے لیے بھی دوسروں کے پاس جانے میں کوئی عار محسوس نہ کرتے تھے۔ حضرت ابوقیس صرمہؓ بن ابی انس انصاری مدینہ کے نہایت بلند پایہ شاعر تھے اور بہت اچھے اخلاقی شعر کہا کرتے تھے۔ ابن اثیرؒ نے ''اُسدالغابہ'' میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ ان کے ہاں جایا کرتے تھے اور ان سے شعر حاصل کرتے تھے۔

۹

حضرت ابن عباسؓ کو سرورِ عالم ﷺ سے بے انتہا عقیدت اور محبت تھی۔ عہدِ رسالت میں ان کو اکثر حضورؐ کی خدمت گزاری کی سعادت نصیب ہوتی رہتی تھی۔ وہ نہایت مستعدی سے حضورؐ کے احکام کی تعمیل کرتے تھے اور بعض اوقات آپؐ کے حکم کے بغیر بھی ایسے کام کر دیتے تھے۔ جن سے حضورؐ خوش ہوتے تھے اور ان کو دعائیں دیتے تھے۔ اس قسم کے چند واقعات کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔

حضورؐ کے وصال کے بعد آپؐ سے محبت اور عقیدت کی یہی کیفیت رہی۔ مسند احمدؒ میں حضرت سعیدؒ بن جبیر سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابن عباسؓ نے کہا، ''پنجشنبہ کا دن، کون پنجشنبہ'' اتنا کہنے پائے تھے کہ ان پر رقت طاری ہوگئی اور زار و قطار رونے لگے اس قدر روئے کہ زمین پر سامنے پڑے ہوئے کنکر گیلے ہوگئے۔ جب ذرا طبیعت سنبھلی تو ہم (حاضرین) نے پوچھا، ابوالعباس پنجشنبہ کے دن میں کیا خاص بات تھی؟ فرمایا، اس روز رسول اللہ ﷺ کے مرض الموت میں شدت ہوگئی تھی۔

حدیث بیان کرتے وقت اس کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے کہ کوئی غلط روایت حضورؐ کی جانب منسوب نہ ہونے پائے۔ جہاں اس قسم کا ذرّہ برابر بھی اندیشہ ہوتا وہ بیان نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ معلوم ہوا کہ بعض لوگ غلط باتیں حضورؐ سے منسوب کرتے ہیں تو فرمایا، تم کو قَالَ

رسول اللہ ﷺ کہتے وقت یہ خوف نہیں معلوم ہوتا کہ تم پر عذاب نازل ہو جائے یا زمین شق ہو جائے اور تم اس میں سما جاؤ۔

حضورؐ کا اس قدر پاسِ ادب تھا کہ فتویٰ دیتے تو آپؐ کا اسم گرامی نہ لیتے تھے تاکہ آپؐ کی طرف نسبت کرنے کی ذمہ داری نہ اٹھانا پڑے۔

مسند دارمی میں ہے کہ جب انہیں معلوم ہوا کہ بعض لوگوں نے ہر قسم کی رطب و یابس حدیثیں بیان کرنا شروع کر دی ہیں تو انہوں نے روایت کرنا ہی چھوڑ دیا۔

اُمّہات المؤمنینؓ کا بھی بے حد احترام کرتے تھے۔ اُمّ المؤمنین حضرت میمونہؓ ان کی خالہ تھیں ان کی خدمت میں اکثر جایا کرتے تھے، ان سے حدیثیں سنتے تھے اور وہ کوئی حکم دیتیں تو اس کو بجالاتے تھے۔ حضرت میمونہؓ نے ۵۱ھ میں وفات پائی تو حضرت ابن عباسؓ ہی نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور قبر میں اتارا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو ابن عباسؓ نے فرمایا، یہ رسول اللہ ﷺ کی حرم محترم ہیں، جنازہ کو زیادہ حرکت نہ دو، ادب کے ساتھ آہستہ لے چلو۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ہمیشہ احترام وادب ملحوظ رہا لیکن ایک دفعہ وہ بعض وجوہ کی بنا پر ان سے ناراض ہو گئیں۔ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئیں اور حضرت ابن عباسؓ کو ان کی شدید علالت کی خبر ہوئی تو وہ فوراً ان کے درِ دولت پر پہنچے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی، اُمّ المؤمنین نے پہلے تو اجازت دینے میں تامل کیا لیکن جب ان کے بھتیجے عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے عرض کی:

''اماں عبداللہ بن عباسؓ آپ کے سعادت مند بیٹے آپ کو سلام کہتے ہیں اور آپ کی خدمت میں باریاب ہونے کی اجازت چاہتے ہیں، ان کو اجازت دیجیے۔''

تو اُمّ المؤمنینؓ نے فرمایا: ''خیر اگر تم چاہتے ہو تو بلالو۔''

حضرت ابن عباسؓ نے اندر آ کر سلام کیا، اُمّ المؤمنینؓ کے قریب بیٹھ گئے اور کہا۔

''آپ کو بشارت ہو۔''

اُمّ المؤمنینؓ نے بھی جواب میں یہی کلماتِ خیر دہرائے۔ پھر حضرت ابن عباسؓ نے عرض کیا:

''اب آپ کے اور رسول اللہ ﷺ اور دوسرے (مرحوم) اعزہ واقارب کے مابین وہی

پردہ ہے، جو جسم اور روح کے درمیان حائل ہے۔ اس کے دور ہوتے ہی آپ کی ان سب سے ملاقات ہوجائے گی۔"

پھر انہوں نے اُمُّ المؤمنینؓ کے فضائل بیان کرنا شروع کر دیے اور عرض کیا:

"آپ رسول اللہ ﷺ کی محبوب ترین زوجہ تھیں اور حضورؐ ہمیشہ پاکیزہ ہی شے کو محبوب رکھتے تھے۔"

اس طرح انہوں نے اُمّ المؤمنینؓ کو ان کے سفرِ آخرت کرنے سے پہلے راضی کرلیا۔

سیدنا حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہماری تاریخ کی متاعِ گراں بہا ہیں۔ ان کے سرچشمۂ فضل و کمال سے فیوض و برکات کے جو چشمے جاری ہوئے وہ آج بھی جاری ہیں اور ہر شخص بقدر ظرف ان سے سیراب ہوسکتا ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ